عطیہ عمر

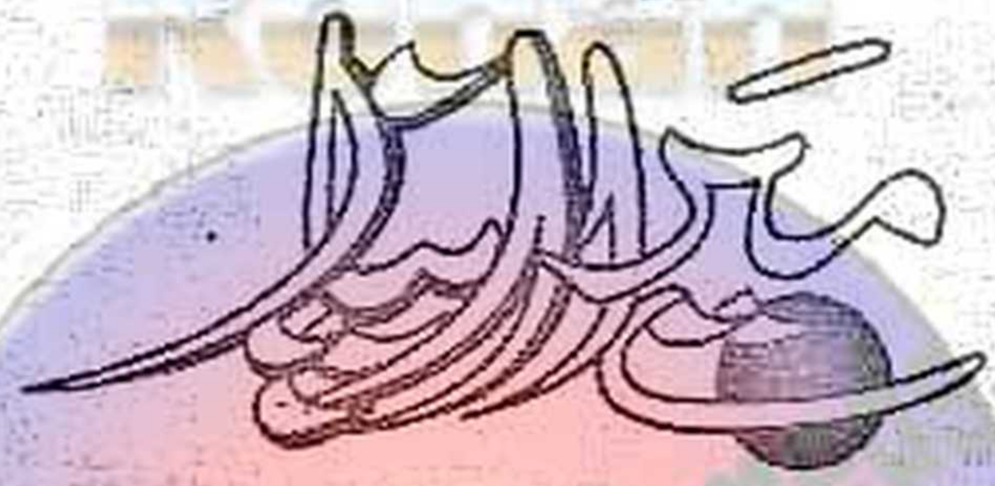

علی کی ان ہی عادتوں سے میں ہمیشہ نالاں رہتی تھی۔ مگر دس سال تک ساتھ رہنے اور بار ہا ٹوکنے کے باوجود ان پر نہ تو میری نفاست پسند طبیعت کا کوئی اثر آیا تھا، نہ ہی میری روک ٹوک نے انہیں سگھڑ بنایا تھا۔ بلکہ میں نے دیکھا کہ میرے اعتراض کے جواب میں ان کا موڈ خراب ہو جاتا تھا۔ اور وہ اپنے غصہ کا اظہار خاموشی سے کرتے تھے۔ جس پر میں نے آئندہ کے لیے حتی الامکان ان کی کسی بھی غلطی کا احساس دلانے سے خود کو روک دیا۔

ویسے اگر دیکھا جائے تو ہماری ازدواجی زندگی بہت خوشگوار تھی۔ (بجا ہے اس خوشگواری میں میری قوت برداشت کا زیادہ دخل تھا) علی کی انا پسندی اور اپنی غلطی نہ ماننے کی عادت اپنی جگہ، مگر وہ اپنی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے نبھاتے تھے۔ ایک پرسکون گھر، تین بچے اور محبت کرنے والا شوہر اس کے علاوہ ایک عورت کو کیا چاہیے، سو میں بھی بہت خوش تھی۔

سو کبھی بھی علی کی حرکت پر غصہ آنے کے باوجود میں کچھ کہہ نہ سکی۔ اگر کہتی تو اگلے کئی روز گھر کا ماحول خراب رہتا۔ اور مجھے ماحول کا یہ تناؤ گھر کے کسی بھی فرد کی ناراضی بہت بے چین رکھتی تھی۔

آج کے واقعے کی تفصیل یہ تھی کہ علی نے اپنے ایک پرانے دوست عبید کو فیملی سمیت ڈنر پر انوائیٹ کر رکھا تھا۔ اور مجھے اطلاع دینا حسب معمول بھول گئے۔ حالانکہ کل رات ہی تو کھانے پر یہ بتا رہے تھے کہ اچانک ہی عبید سے ملاقات ہوئی۔ وہ ان کے بچپن کا دوست تھا۔ پھر اس کے والدین کسی دوسرے شہر شفٹ ہو گئے تو وہ بھی چلا گیا تھا۔ کچھ عرصہ تو دونوں میں خط و کتابت بھی رہی کہ جب جدا ہوئے تو میٹرک کے طالب علم تھے۔ مگر پھر رفتہ رفتہ یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اور اب علی بتا رہے تھے کہ عبید کی ٹرانسفر ادھر ہی ہو گئی ہے۔ میں تو اسے پہچان نہیں پایا۔ اس نے ہی پہچان لیا اور آ کر ملا۔ بھئی عمیر تمہارے ہی کہنے پر تمہارا اسکول بیگ لینے گیا تھا۔ تو اسی شاپ پر مجھے میرا دوست مل گیا۔"

"تو پھر تو پاپا! آپ کو مجھے ٹریٹ دینی چاہیے۔" عمیر کے کہنے پر میں مسکرا دی تھی۔ علی بھی ہنسنے لگے۔

"یہ آج کل کے بچے، بہت زیادہ چالاک ہو گئے ہیں۔" میں نے کہا تو علی بولے۔

"شاید ماں پر گیا ہے۔ ورنہ باپ تو بے چارہ بہت سیدھا سادا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ بہت ہی سیدھے ہیں۔"

میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا اور پھر خدیجہ کے رونے پر اس کی طرف چلی گئی۔ چھ، سات ماہ کی خدیجہ بہت خوش مزاج، اور اچھی بچی تھی، عام بچوں کی طرح نہ تو زیادہ روتی تھی، نہ ہی گود میں لینے کی ضد کرتی تھی۔

آرام سے جھولے یا کاٹ میں پڑی کھیلتی رہتی تھی۔ مگر آج شام سے کچھ بے چین سی تھی۔ میں پہلے تو اس کے ساتھ مصروف رہی۔ بہت مشکل سے وہ سوئی تو پھر دوسرے بڑے بچوں عمیر اور رافع کو سلایا۔ کچن سمیٹا اور آخر میں علی اور اپنے لیے گرم دودھ لے کر کمرے میں آگئی۔ علی کمپیوٹر پر مصروف تھے۔ دودھ کا کپ ان کے پاس رکھا خود چند منٹ ایک ڈائجسٹ کی ورق گردانی کی مگر میری آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ جلد ہی سو گئی۔

صبح علی آفس چلے گئے۔ بچے اسکول اور میں گھر کے کاموں اور سب سے بڑھ کر خدیجہ کے ساتھ مصروف رہی۔ وہ سارا دن روتی ہی رہی تھی۔ میرے گھریلو ٹوٹکے بھی بے اثر رہے۔

آخر میں نے اپنے فیملی ڈاکٹر کو فون کر کے شام کے لیے اپائنٹمنٹ لے لی۔ اور علی کو آفس فون کیا کہ کوشش کر کے جلدی آئیں تاکہ خدیجہ کو ڈاکٹر کے پاس لے جاسکیں۔

خدیجہ کے چیک اپ کے بعد ڈاکٹر کے ہاں سے واپس آرہے تھے کہ اچانک علی بولے۔

"اوہ۔ ہاں وہ آج شام عبید اور اس کی فیملی کے ڈنر کے لیے کیا کچھ تیاری کی ہے۔"

"کون سا ڈنر؟ آپ نے مجھے کب بتایا تھا؟" میں حیران پریشان تھی۔

"کل ڈائننگ ٹیبل پر جب عمیر ٹریٹ کا مطالبہ کر رہا تھا تو میں نے بتایا تو تھا کہ کل رات کو تو گھر پہ ہی دعوت ہے۔"

"اوہ! میرے خدا علی! اس وقت شام کے پونے چار بجے ہیں۔ سردیاں ہیں۔ آٹھ بجے تک تو ڈنر سرو ہونا چاہیے۔ اور آپ اس وقت مجھے اطلاع دے رہے ہیں۔ اتنے کم وقت میں کیا تیاری کروں گی؟ پھر عبید بھائی کی مسز بھی ہوں گی تو ان کے پاس بیٹھنا بھی ہوگا۔ آپ۔ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔"

"گوشت، مرغی تو گھر میں ہے نا۔ یہ سوں ہی تو یہ سب لائے تھے اگر کھو تو کچھ چیزیں بازار سے لے لیں۔ اور ویسے بھی عبید میرا بچپن کا دوست ہے۔ اسے میں بتا دوں گا کہ تمہیں دعوت کی اطلاع ہی نہ تھی۔ تکلف دعوت پھر کبھی کر دیں گے۔ اس وقت جو موجود ہو گا، وہی سامنے رکھ دیں گے۔ کچھ مسئلہ نہیں ہے۔"

علی کی تجاویز میرے لیے قابل عمل یوں نہ تھیں کہ بازار کی چیزیں دگنی، تگنی قیمت پر ملتی تھیں۔ اور اس بار بجٹ ویسے ہی بہت تنگ تھا۔ فلیٹ کی قسط ادا کی تھی۔ بس وہی ذاتی پیسے میرے پاس تھے یا روز مرہ کے خرچ کے لیے کچھ رقم موجود تھی۔ دراصل پچھلے دنوں علی کی بہن ریحانہ آپی آئی ہوئی تھیں۔ ان کے اور ان کے بچوں کے کپڑے وغیرہ لینے میں کافی خرچ ہو گیا تھا۔ سو اب بازار سے تو کچھ لینے کا سوال ہی نہ تھا۔ اور بالکل ہی دعوت سے گریز بھی نہیں کر سکتی تھی کہ مسز عبید سے میری پہلی ملاقات ہو رہی تھی۔ مجھے ان کی عادات کا کچھ علم نہ تھا۔ خدا جانے سادگی کے اس مظاہرے کو وہ کس انداز سے لیں۔ بس یہ کیا کہ گھر آکر خدیجہ کو علی کے حوالے کیا۔ ڈاکٹر کی دوا کے اثر سے وہ سو رہی تھی۔ خود میں کمر کس کر کچن میں گھس گئی۔ عمیر اور رافع کا ہوم ورک بھی میری ذمہ داری تھا۔ آج میں نے انہیں بھی علی کے حوالے کیا۔ اور وہ بھی شاید اپنی غلطی کے احساس سے یا پھر مجھ پر احسان کرنے کے موڈ میں بہت فرماں برداری کے موڈ میں تھے۔

وہ تو شکر ہے کہ چند ایک اقسام کے کباب کوفتے قسم کی چیزیں میرے پاس فریز ہوئی تھیں۔ تین چار دن پہلے بچوں اور علی کی فرمائش پر گاجر کا حلوہ بنایا تھا۔ وہ بھی موجود تھا۔ چار بچے اور دو وہ میاں بیوی، چھ لوگ تھے اور چار ہم خود تھے۔

کھانے کی مقدار بھی مناسب ہونی چاہیے تھی۔ مرغی اتنی بھی نہیں تھی کہ بریانی بھی بناتی اور ساتھ مرغی کی ایک دو ڈشیں بھی۔ سو گوشت بریانی بنانے کا ارادہ کیا۔ ساتھ چکن کڑاہی، چکن فرائی، سلاد، رائتہ وغیرہ۔ ٹیبل لگا کر میں شامی کباب فرائی کر رہی تھی کہ علی

مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی۔ کچن میں موجود گھڑی پر ٹائم دیکھا' ساڑھے سات بج رہے تھے۔ اور سالن تیار ہی تھا۔ بریانی دم پر تھی۔ بس صرف روٹیاں ڈالنی تھیں۔

چولہے کے برنر بند کر کے میں تیزی سے اپنے بیڈ روم میں گئی۔ ہینگر میں سے کپڑے جلدی سے نکالے جو شام کو ڈاکٹر کے پاس جاتے وقت پہنے تھے' بال سمیٹے اور پانچ' دس منٹ میں ڈرائنگ روم میں آگئی۔ مہمانوں سے مل کر تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھی۔ عبید بھائی تو کافی سادہ اور خوش مزاج سے لگ رہے تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا عمیر سے تین چار سال بڑا تھا۔ جبکہ سب سے چھوٹا بیٹا انہوں نے بتایا کہ حدید کا ہم عمر ہے۔ اسے وہ آیا کے پاس گھر چھوڑ آئی تھیں۔ کولڈ ڈرنک سرو کر رہی تھی تو کہنے لگیں۔

"بھابھی! آپ نے کوئی فل ٹائم ملازم نہیں رکھا۔"

"نہیں۔" میں شرمندہ سی ہوگئی۔

"او ہو مائی گاڈ۔ سب کام آپ خود کرتی ہیں۔ اور اتنے چھوٹے بچے کے لیے آیا بھی نہیں ہے؟"

"نہیں سب کام تو نہیں' صبح جھاڑو پوچھے اور کپڑے دھونے کے لیے ماسی آتی ہے۔"

"مگر پھر بھی سارا دن گھر میں کتنے کام ہوتے ہیں۔ میں نے تو آیا کے علاوہ ایک لڑکا گھر کے اور چھوٹے موٹے کاموں کے لیے رکھا ہوا ہے۔ ماسی تو صبح جھاڑو پونچھا کر کے چلی جاتی ہے۔ پھر ڈسٹنگ' برتن دھونا' کپڑے استری کرنا' کچن میں میرے ساتھ ہیلپ کرانا' سب کام وہ کرتا ہے۔"

میں کیا کہتی' مسکرا کر چپ ہوگئی۔ عبید بھائی کی جاب بھی علی سے زیادہ اچھی تھی اور پھر علی بتاتے تھے کہ وہ لوگ ایک زمیندار فیملی سے تعلق رکھتے ہیں' چنانچہ مسز عبید تو تین ملازم افورڈ کر سکتی تھیں' مگر میرے لیے یہ مشکل تھا۔

جی تو میرا بھی چاہتا تھا کہ ایک مستقل ملازم رکھوں' مگر فی الحال یہ عیاشی میرے بس سے باہر تھی۔ ہم چاہتے تھے کہ جلد از جلد ہمارے فلیٹ کی اقساط پوری ہوں اور ہم اپنے گھر میں شفٹ ہوں۔ خاص طور پر جب سے میری بڑی بہن سمیرا آپی اپنے ہزار گز کے بنگلے میں شفٹ ہوئی تھیں' تب سے مجھے بھی یہ خواہش تھی کہ جلد از جلد ہم اپنا گھر بنائیں۔ میرے سب بہن بھائی اپنے اپنے ذاتی گھروں میں رہتے تھے۔ جب علی کے آفس کی طرف سے ملازمین کے لیے یہ ہاؤسنگ اسکیم شروع کی گئی تو ہم نے بھی فوراً اس کے لیے اپلائی کر دیا۔ اگرچہ میرا شوق تو خوب صورت سا ڈبل اسٹوری بنگلہ تھا۔ مگر فی الحال ہماری جیب اس کی اجازت نہ دیتی تھی۔ چنانچہ یہ فلیٹ ہی بک کروالیا۔ لوکیشن اچھی تھی۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ کسی دھوکہ دہی کا بھی خطرہ نہ تھا۔

مجھے کبھی کبھی علی کی امی پر بھی غصہ آتا تھا۔ اور ساتھ ہی علی پر بھی۔ کہ ان کا اچھا خاصا آبائی گھر تھا۔ پرانی طرز تعمیر کا تھا' مگر بہت اچھی حالت میں تھا۔ پھر ایک اچھے صاف ستھرے متوسط علاقے میں ہونے کے باعث اس کی قیمت بھی ٹھیک ٹھاک تھی۔ مگر علی کی امی کہنے لگیں کہ علی کی جاب زیادہ اچھی ہے۔ تنخواہ بھی زیادہ ہے۔ جبکہ حارث کی کئی سال کی بے روزگاری کے بعد ابھی ابھی جاب شروع ہوئی ہے۔ اور اس میں بھی اتنی کم تنخواہ ہے کہ گھر کا کرایہ افورڈ کرنا بہت مشکل ہے۔ چنانچہ وہ مکان حارث کو ہی دے دیا

خوبصورت و مقبول ناول

شائع ہو گئے ہیں

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

جائے۔ اگر چاہو تو دونوں بھائی مل کر اسی گھر میں رہو۔"

مگر تین بیڈ روم کے اس گھر میں جب ہمارے دو بچوں کے علاوہ حارث کا بھی ایک بچہ ہو گیا۔ تو جگہ کم ہونے لگی۔ علی کے والد کا تو انتقال ہو چکا تھا۔ ایک کمرہ میرے اور علی کے پاس تھا۔ ایک حارث اور اس کی بیوی کے پاس۔ تیسرے کمرے میں امی اور ثمن (کنواری نند) رہتی تھیں۔ چنانچہ ہم اس کرائے کے گھر میں آ گئے۔ علی کی تنخواہ کم نہ تھی مگر بڑھتی منہگائی، بچوں کی تعلیم، سب کچھ اتنی آسانی سے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ میں ہر ممکن بچت کے طریقے ڈھونڈا کرتی۔

مسز عبید جیسے لوگوں سے مل کر کچھ دیر کے لیے مجھے اپنی محرومی اور کم مائیگی کا احساس ضرور ہوتا تھا مگر جلد ہی یہ سوچ کر کہ تھوڑے عرصے کی تو بات ہے۔ ایک دفعہ اپنے گھر چلے جائیں تو ہمارا معیار زندگی بھی کافی بہتر ہو جائے گا کہ اس گھر کا کرایہ بچے گا۔ فلیٹ کی اقساط سے جان چھوٹے گی۔

کھانے کی ٹیبل پر جب عبید بھائی کا بڑا بیٹا عظیم بریانی لینے لگا تو اس کی ممی بولیں۔

"بھابھی! یہ کوفتے مٹن کے ہیں یا بیف کے۔"

"بیف کے۔" میں نے جواب دیا۔ دو اڑھائی سو روپے کلو بکری کا گوشت لینا کچھ آسان نہ تھا۔

"میں اور میرے بچے تو بیف نہیں کھاتے۔" وہ ناک سکیڑ کر بولیں۔

علی اور میں شرمندہ ہو رہے تھے کہ عبید بھائی بول اٹھے۔

"او ہو بھئی جب بیف سے بنے بہاری کباب اور حلیم کھانے کے لیے بہت شوق سے مشہور فوڈ کارنرز پر جا سکتے ہیں تو یہ کوفتہ بریانی اور کباب جو کہ بھابی نے بنائے ہیں 'ان کو کھانے میں کیا مشکل ہے۔ کم سے کم میں نے تو ایسا ذائقہ کہیں نہیں چکھا بہت ہی مزے دار ہیں۔"

"دراصل میں کل فائقہ کو بتانا بھول گیا تھا۔ کہ آپ لوگوں کو میں نے کھانے پر بلایا ہے۔ ابھی شام بتایا ہے۔ اس لیے جو چیزیں گھر میں موجود تھیں ان سے کام چلایا ہے پھر بھی انشاء اللہ آپ کی شاندار دعوت کریں گے۔ اب تو آپ لوگ ادھر ہی ہیں نا۔"

"چھوڑو یار! یہ سب کیا شاندار دعوت سے کم ہے اور پھر اتنے کم وقت میں اتنی چیزیں تیار کرنا تو بھابی کا کمال ہے۔" عبید بھائی نے کہا۔

واقعی میں خود بھی کچھ دیر قبل کتنی مطمئن اور خوش تھی۔ اڑھائی تین گھنٹے کے اندر میں نے اچھی خاصی دعوت کا اہتمام کر لیا تھا۔ صبح خدیجہ نے سارا دن ہی مصروف رکھا۔ اس لیے میں نے جلدی میں بھی پاستا بنایا تھا۔ کیونکہ وہ پیزا کو کھانے پر صرف میں اور بچے ہوتے تھے۔ بچے یہ بہت شوق سے کھاتے تھے۔ مگر اس روز بچوں نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ عمیر کے کلاس فیلو کی برتھ ڈے تھی۔ اس نے سب بچوں کو اسکول کینٹین میں ٹریٹ دی تھی۔ رافع کو صرف دودھ چاہیے تھا۔ چنانچہ اب رات کو میں نے وہی پاستا بھی گرم کر لیے تھے۔ مگر مسز عبید نے مجھے شرمندہ کر دیا تھا۔

"اوہ! یہ تو بہت زیادتی ہے علی بھائی! کہ آپ نے بھابی سے اتنی ایمرجنسی میں دعوت کروائی۔ میں تو اکثر باہر ہی دعوتیں کرتی ہوں۔ اتنے سارے ہوٹل ریسٹورنٹس آخر کس لیے ہیں؟" مسز عبید نے کہا تو ہم دونوں چپ ہی رہے۔ عبید بھائی نے ہی جواب دیا۔

"بھئی گھر کے کھانے کا مزا ہی اور ہوتا ہے۔"

"ممی پاپا یہ والا چکن تو کے ایف سی سے بھی زیادہ اچھا لگ رہا ہے۔" عظیم کے کہنے پر علی مسکرا دیے۔

"ارے نہیں یار! اب آنٹی کو اتنا بھی مت چڑھاؤ۔ اب ایسی بھی بات نہیں۔"

"آپ یہ چکن کڑھائی لیں بھابھی۔ اور یہ پاستا بھی چکھ کر دیکھیں۔"

"نہیں بھابی! ٹھیک ہے۔ بہت زیادہ کھا لیا ہے۔ دراصل مجھے ان ڈشز سے زیادہ پیسوں اور مسالے

والے کھانوں کی عادت نہیں۔ میں تو زیادہ تر چائنیز کھانے کھاتی ہوں۔"

مسز عبید کے نخرے سے بولنے پر مجھے بہت غصہ آیا۔ لی بی چائنیز "فرائی رول" یا فرائی رائس کیا بغیر تیل کے پکتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ کہہ تو نہیں سکتی تھی۔ ان کی تعلیم بھی مجھے تو واجبی سی لگ رہی تھی۔ ہاں دولت نے غرور اور نخرا خوب پیدا کیا تھا۔

کھانے کے بعد برتن سمیٹ کر کچن میں رکھے۔ اور علی کے کہنے پر سبز قہوہ بنا کر لائی تو مسز عبید اب اپنی شاپنگ کی تفصیل بتانے لگیں۔

اگرچہ ہر عورت کی طرح شاپنگ میری بھی خواہش رہتی تھی۔ اور اکثر ہم خواتین اسی موضوع پر بات بھی کرتی تھیں۔ مگر مسز عبید کی بات بے بات اپنی ہزاروں، لاکھوں کی شاپنگ کی تفصیل، ملبوسات، کراکری، جیولری، وہ تو جیسے مجھے ہر تفصیل بتانے پر تلی ہوئی تھیں۔ اور مجھے سخت کوفت ہو رہی تھی۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد میں نے بچے ہوئے کھانے فریج میں رکھے۔ برتن اکٹھے کر کے سنک میں رکھے۔ اور خود کمرے میں آ گئی۔ اگرچہ برتن دھونے کے لیے مستقل ماسی نہیں تھی۔ مگر اس طرح کی دعوتوں وغیرہ میں گھر میں کام کرنے والی ملازمہ کو ہی کچھ پیسے دے کر برتن دھلوا لیتی تھی۔

"یہ آپ کے دوست کی مسز تو بہت زیادہ شو آف کرنے والی خاتون ہیں۔"

علی نے بھی میری تائید کی تھی۔

"واقعی فائقہ! عبید سے بہت مختلف ہیں اس کی مسز لیکن تم نے دیکھا عبید اور اس کے بچے کتنے اچھے ہیں۔ عبید میرا بہت بے تکلف دوست ہے۔ بچپن کا ساتھی ہے۔ اس نے تو تمہاری تعریف ہی کی۔ اپنائیت اسی کا نام ہے اور مسز عبید کی شو بازیوں کے متعلق مت سوچو۔"

لیکن میرے ذہن پر اگلے کئی روز تک اس واقعے کا اثر باقی رہا۔ اچھی خاصی محنت کی تھی، خرچ بھی ٹھیک ٹھاک ہوا تھا۔ اگلے ڈیڑھ ہفتے تک ہمارے گھر میں صرف سبزیاں، دالیں ہی پکتی رہیں۔ اور بجائے تعریف کے صرف نکتہ چینی ہی وصول ہوئی تھی۔

چنانچہ اس روز جب ثمن اور امی ہمارے گھر آئی ہوئی تھیں۔ تو یونہی باتوں میں مسز عبید کا ذکر آ گیا۔ علی ہنس کر کہنے لگے۔

"بے چاری فائقہ نے ڈھائی تین گھنٹوں میں اچھی خاصی دعوت کا اہتمام کیا مگر تعریف کے بجائے جب اعتراض سنے تو کئی دن تک بہت افسردہ رہی۔"

"اور یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا تھا۔ آپ کے جلد بازی کے باعث۔ اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو مرغی وغیرہ لے آتی۔ اب اس وقت تو اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ مارکیٹ تک جاتے۔"

میں نے علی کو ان کی غلطی کا احساس دلانے کی کوشش کی مگر وہ تھوڑا بگڑ کر بولے۔ "اچھا تب تم اتنا اضافی خرچ برداشت کر لیتیں۔ تو پھر ہمیں کیوں کئی دن تک صرف سبزیوں اور دالوں پر اکتفا کرنا پڑا۔"

"اپنی بات اور ہوتی ہے علی! انسان بہت کچھ برداشت کر لیتا ہے۔ مگر دوسروں کے سامنے عزت برقرار رکھنے کے لیے ہمیں اضافی خرچ بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں۔" امی نے بھی میری بات کی تائید کی تھی۔

"ٹھیک تو کہہ رہی ہے بہو۔ اب خود تو انسان دال روٹی کھا کر بھی پیٹ بھر سکتا ہے مگر غیروں کے سامنے یہ دال نہیں رکھ سکتے۔ عزت کا سوال ہوتا ہے۔"

"جی ہاں، جیسے ہمارے سامنے میز پر دال رکھی ہے کہ ہم تو اپنے ہیں۔" ثمن نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی اور "اپنوں" نے خود ہی بارہا ماش کی دال کے پسندیدہ ہونے کا اعتراف کیا ہے۔" میں نے بھی ہنس کر کہا تو علی بھی مسکرانے لگے۔

دراصل آج ثمن اور امی اچانک ہی آ گئی تھیں۔ کہ ادھر ہمارے گھر کے قریب امی کے کوئی رشتے کے بھائی رہتے تھے۔ ان کے ساتھ بہت زیادہ آنا جانا تو نہیں تھا کہ امی کی وہ بھابی سسرالی رشتے داروں سے

ہمیشہ ناراض ہی رہی تھیں۔ مگر اب ان ہی بھائی کو فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ تو امی رشتے داری اور دنیا داری نبھانے کی خاطر وہاں آئی تھیں۔ ساتھ ثمن بھی تیار ہو گئی۔ وہ آج کل بی اے کے امتحان کے بعد فارغ تھی۔ چنانچہ حارث انہیں ہمارے گھر چھوڑ گیا تھا۔ اور میرا اور امی کا شام کو وہاں جانے کا ارادہ تھا۔

اتفاق ہی تھا کہ آج علی نے آفس سے چھٹی کر رکھی تھی۔ ورنہ وہ اس معاملے میں بہت باقاعدہ تھے۔ دراصل کئی روز سے ان کے پاؤں کے انگوٹھے میں درد ہو رہا تھا۔ اور وہ اسے ٹالتے آ رہے تھے۔ مگر کل شام زیادہ تکلیف ہو گئی تو ڈاکٹر کے پاس گئے۔ اس نے انہیں ایکسرے وغیرہ کروانے کو کہا تھا۔ سو اسی لیے وہ آج آفس نہیں گئے تھے۔ علی اور رافع کو ماش کی بھنی دال بہت پسند تھی۔ سو میں نے وہی پکائی تھی۔ تھوڑا سا رات کا بچا ہوا آلو قیمہ بھی رکھا تھا۔ امی اور ثمن جب آئیں تو میں روٹی پکا رہی تھی۔ سلاد، رائتہ وغیرہ ٹیبل پر رکھا تھا۔

اب کسی اہتمام کا تو وقت نہ تھا۔ مگر پھر بھی میں نے جلدی سے کباب فرائی کیے۔ سویوں کا زردہ بنایا۔ اگرچہ ثمن منع کرتی رہی کہ میٹھا تو نہ بناؤں کیونکہ وہ میٹھے کی بہت شوقین تھی۔ سامنے رکھا ہوا تو چھوڑنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اور آج کل وہ ڈائٹنگ پر تھی مگر میں نہیں چاہتی تھی کہ میری ساس یا خود ثمن کو ہی کسی اعتراض کا موقع ملے۔

"مگر تمہیں ڈائٹنگ کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے حیرت سے اس کے متناسب سراپے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ کچھ شرما سی گئی۔ پھر کہنے لگی۔ "دراصل وہ ندا اور حنا اس قدر دبلی پتلی سی ہیں۔ میں نے سوچا میں ان کے ساتھ موٹی نہ لگوں۔ لوگ کیا کہیں گے کہ۔"

"یہی کہ سانولی سی نندوں کی بھابی کتنی گوری ہے۔" میں نے اس کی بات اچک کر کہا۔ اور پھر اسے سمجھانے لگی۔

"ثمن، ہر انسان کا باڈی فریم الگ ہوتا ہے۔ ندا اور حنا تو ضرورت سے زیادہ ہی سوکھی ہیں۔ اور تم موٹی بالکل نہیں ہو۔ بالکل متناسب جسم ہے تمہارا۔ کیوں خواہ مخواہ ہلکان ہو رہی ہو۔"

"نہیں بھابی! میں بہت سخت ڈائٹنگ تو نہیں کر رہی۔ بس یہ وقت بے وقت جو نمکو، چپس وغیرہ کھا لیتی تھی، وہ چھوڑ دیے ہیں۔ فرائی یا میٹھی چیزیں نہیں کھاتی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ دو تین ماہ کے بعد تمہاری شادی ہے۔ تو تب تک اسمارٹ تو بے شک رہو مگر چہرے کی رونق مت ختم ہونے دینا۔ ویسے شادی کے بعد اکثر لڑکیاں موٹی ضرور ہو جاتی ہیں۔ اپنی ہی نعمانہ آپی کو دیکھ لو ان کی شادی سے پہلے کی تصویروں اور آج میں کتنا فرق ہے۔"

"اسی لیے تو میں اس وقت سے بچنے کی کوشش کر رہی ہوں۔" ثمن نے کہا۔

☼ ☼ ☼

ثمن کی شادی اس کے سسر کے انتقال کے باعث کچھ عرصے کے لیے ملتوی ہو گئی۔ اس نے محلے کے ایک اسکول میں پڑھانا شروع کر دیا۔ مذاق مذاق میں مجھے بھی اس نے ایک بار مشورہ دیا کہ میں گھر میں ہی چند ایک بچوں کو ٹیوشن دینا شروع کر دوں۔ تو ایک اضافی رقم گھر میں آنے لگے گی۔

تھوڑا سوچنے پر مجھے اس کا مشورہ مناسب لگا۔ شام کو ایک دو گھنٹے کا وقت میرے پاس فارغ ہوتا تھا۔ تب میں خدیجہ کو کشنز کے سہارے اپنے قریب بٹھا لیتی اور خود ٹی وی دیکھتی یا کوئی ڈائجسٹ کی ورق گردانی کرتی رہتی تھی۔ عمیر اور رافع اس وقت کھیل رہے ہوتے تھے۔ انہیں میں مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھاتی تھی۔ اسی لیے رات کے لیے سالن وغیرہ دوپہر کو ہی بنا لیتی۔ رات کو صرف روٹی پکانی ہوتی یا پھر چاول ابالنے ہوتے تھے۔ مجھے خیال آنے لگا کہ میری ماسٹرز کی ڈگری کا کچھ تو فائدہ ہو۔ جاب کی اجازت مجھے علی نہ دیتے تھے۔ کہ اس سے گھر اور بچے ڈسٹرب ہوتے

ہیں۔ حالانکہ میں نے بہت دلائل دیے تھے کہ جو تنخواہ ہو گی اس سے ہم ایک فل ٹائم ملازم رکھ سکتے ہیں۔ مگر علی جس بات پر اڑ جاتے تھے پھر انہیں منانا بہت مشکل ہوتا تھا۔ چنانچہ حسب معمول میں نے ہی ہار مان لی تھی۔ لیکن اب یہ ٹیوشن کا فیصلہ مجھے بہت مناسب لگا۔

علی سے بات کی تو انہوں نے کوئی اعتراض تو نہ کیا' بس خاموش ہو گئے۔ میں نے دوسرے روز پھر پوچھا۔

"علی! آج میں مسز جمیل سے بات کرنے والی ہوں۔ وہ چند دن پہلے اپنے دو بچوں کی ٹیوشن کے لیے کسی ٹیوٹر کی ضرورت کا ذکر کر رہی تھیں۔ ایک بچہ کلاس تو میں ہے جبکہ دوسرا فورتھ میں۔"

"کیا گھر کے اخراجات پورے نہیں ہو رہے؟ اگر ایسی بات ہے تو فائقہ! میں ہی کوئی پارٹ ٹائم جاب تلاش کر لیتا ہوں۔"

"نہیں علی! ایسی بات نہیں۔ مگر صرف اخراجات کا پورا ہو جانا تو کوئی بات نہیں ہوتی۔ بچے بڑے ہو رہے ہیں۔ ان کی فرمائشیں' بڑھتی جا رہی ہیں۔ اپنے دوستوں کے پاس جو کچھ دیکھتے ہیں' جن چیزوں کا ذکر سنتے ہیں' وہ انہیں بھی چاہیے ہوتا ہے۔ بار بار ان کی فرمائش رد کرنے سے ان میں احساس محرومی پیدا ہوتا ہے۔"

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ میں کوئی پارٹ ٹائم جاب تلاش کرتا ہوں۔ تمہاری ہزار ڈیڑھ ہزار روپوں سے کون سے مسائل حل ہوں گے۔"

"نہیں' پہلے آفس سے تھک کر آئیں اور پھر دوبارہ چلے جائیں۔ یہ آپ کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں۔ اور آفس سے آنے کے بعد' آپ کے پاس وقت ہی کتنا بچتا ہے؟ بچے آپ کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ ملنا' ملانا' اور بھی تو کئی مصروفیات ہوتی ہیں۔ آپ کیا مشین بننا چاہتے ہیں۔"

"تو یہی بات تو میں تمہیں بھی سمجھا رہا ہوں۔ گھر بچوں کی مصروفیت کے بعد کیا تم یہ اضافی بوجھ برداشت کر سکو گی؟"

"اسی لیے تو کسی مستقل جاب کی بات نہیں کر رہی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بچوں کو پڑھا کر گھر میں ہی بیٹھے اگر تھوڑے سے پیسے مل رہے ہوں تو اس میں مجھ پر کوئی اضافی بوجھ نہیں پڑے گا۔ ہاں اگر آپ پارٹ ٹائم جاب کریں گے تو آپ کے لیے وہ اضافی بوجھ ہو گا۔ اور ابھی پچھلے دنوں تو آپ جوائنڈس (یرقان) کا شکار رہے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ٹھیک ہیں۔ اس محنت کی میں آپ کو ہرگز اجازت نہیں دوں گی۔"

میری حتمی انداز پر وہ خاموش ہو گئے۔

میں نے مسز جمیل کے بچوں کو پڑھانا شروع کیا' تو مسز ثاقب نے بھی اپنے بیٹے تشمیر کو بھیجنا شروع کر دیا۔ وہ بھی فورتھ کا طالب علم تھا۔ اور شرارتی بھی بہت تھا۔ مسز جمیل کے بچے صبا اور ریحان قدرے خاموش طبع تھے۔ مگر جب تشمیر کا ساتھ ملا تو وہ بھی ٹھیک ٹھاک شرارتی ہو گئے۔ عمیو' رافع بھی ان کے ساتھ مل جاتے تو مجھے ان سب کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ خیر کسی نہ کسی طرح ڈانٹ ڈپٹ کر کچھ پیار سے انہیں تھوڑا قابو کر ہی لیا۔ اور پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ چل نکلا۔ مگر یہ حقیقت تھی کہ بچوں کے ساتھ دماغ کھپانا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ بچوں کی چھٹی کے بعد عمیو اور رافع کو پڑھانا ساتھ خدیجہ کو سنبھالنا' اچھی خاصی تھکا جاتی تھی۔ مگر بہرحال خود ہی یہ ذمہ داری لی تھی تو اب اسے چھوڑنا مجھے گوارا نہ تھا۔

مگر جب مہینے کے آغاز میں دو ہزار کے قریب روپے میرے ہاتھ میں آئے تو مجھے بہت اچھا لگا۔ بچے کئی روز سے پیزا ہٹ جانے کی ضد کر رہے تھے۔ مگر میں اور علی ٹالتے آ رہے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ میں ٹالتی آ رہی تھی۔ علی تو پھر بھی تیار ہو جاتے کہ بچوں کی فرمائشیں وہ کم ہی رد کرتے تھے۔ مگر میرا موقف یہ ہوتا تھا کہ بچے تو نا سمجھ ہوتے ہیں۔ جبکہ والدین کو اپنی ذمہ داری کا احساس کر کے ان کی ایسی ضدیں پوری نہیں کرنی چاہئیں جو بعد میں کسی نقصان یا پریشانی کا سبب بنیں۔ جیسے اب ہم چار لوگوں کا پیزا ہٹ جانے کا مطلب اچھی خاصی رقم کا خرچ ہو جانا تھا۔ جبکہ کچھ

دنوں بعد ہم اپنے نئے گھر شفٹ ہونے والے تھے۔ نئے گھر کے لیے بڑے کچھ فرنیچر وغیرہ تو فوری ضرورت تھی۔ اور بھی کئی چھوٹے موٹے آئٹم تھے جن کی خریداری لازمی تھی۔ اور اسی لیے میں کچھ رقم پس انداز کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ چنانچہ بچوں کی اور اپنی اس طرح کی کئی چھوٹی موٹی خوشیاں اور خواہشات پس پشت ڈال رکھی تھیں۔ مگر اب سوچا کہ چلو ان پیسوں سے بچوں کی خوشی ہی پوری کردی جائے۔

☼ ☼ ☼

اس روز میں بچوں کو پڑھا رہی تھی۔ مگر خدیجہ نے بہت تنگ کررکھا تھا۔ اسے نزلہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ میں خدیجہ کو علی کے حوالے کر آئی۔ عمیر اور رافع سے کہا۔ "تم بھی کچھ دیر بہن کو سنبھالو۔" بچوں کے ٹیسٹ ہو رہے تھے۔ صوما تو پھر بہتر تھی۔ مگر ریحان اور شمیر کی مجھے فکر تھی۔ خاص طور پر شمیر تو بہت لاپروا تھا۔ ورنہ اگر وہ توجہ دیتا تو کافی ذہین اسٹوڈنٹ تھا۔ چنانچہ میں انہیں بھرپور توجہ دینا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ میری ذمہ داری تھے۔ اور میں نہیں چاہتی تھی کہ مسز جمیل یا مسز ثاقب کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ میں نے ان کے بچوں پر توجہ نہیں دی۔ بلکہ میں اپنی تعریف کی خواہاں تھی۔ پھر یہ بھی تھا کہ شاید ان بچوں کے اچھے نتیجے سے متاثر ہوکر کچھ اور بچوں کی مائیں بھی اپنے بچے بھیجنا شروع کردیں۔ نچلے متوسط طبقے کے ان رہائشی افراد کے لیے رقم خرچ کرنا زیادہ آسان نہ تھا۔ چنانچہ وہ اپنے خرچ کے بدلے میں خاطر خواہ نتیجے کے خواہش مند رہتے تھے۔

اسی وقت امی (ساس) آگئیں۔ ان کے ساتھ ریحانہ آپی کی نند بھی تھیں۔ اب میری عجیب مشکل ہوگئی۔ ان کے پاس بیٹھتی کہ بچوں کو وقت دیتی۔ علی کی خوشامد کی کہ بچوں کو تھوڑی دیر چیک کرلیں۔ حساب کے کچھ سوالات میں نے شمیر اور ریحان کو دے رکھے تھے۔ جب کہ صوما نے اسلامیات کا سبق یاد کرکے سنانا تھا۔ علی اگرچہ بے دلی سے اٹھے مگر پھر بھی آگئے۔ خدیجہ ان کی گود میں سو رہی تھی۔ اسے کاٹ میں سلا کر میں کچن میں گئی۔ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر جلدی جلدی ٹرالی سیٹ کرنے لگی۔ اتفاق سے کباب ختم تھے۔ صرف چار شامی کباب رکھے تھے۔ جو مہمانوں کو پیش کرتے اچھا تو نہ لگ رہا تھا مگر کیا کرتی مجبوری تھی۔ پھر سوچا' دو تو وہ خواتین ہیں۔ علی کو منع کردوں گی کہ آپ مت لیجئے گا۔ کچھ نمکو بسکٹ وغیرہ موجود تھے۔ ٹرالی لے کر ڈرائنگ روم میں آئی تو میری ساس اور ریحانہ آپی کی نند مصروف گفتگو تھیں۔ میں نے معذرت کی اور انہیں چائے پیش کرنے لگی۔

ریحانہ آپی کی نند بولیں۔ "بھابھی! یہ کیا آپ نے ٹیوشن سینٹر کھول رکھا ہے؟"

"نہیں تو۔" میں نے امی کو کڑی نظروں سے گھورتے پاکر بڑا کر کہا نہ جانے کس وجہ سے ان کا مزاج برہم تھا۔

"بس اپنے بچوں کو پڑھاتی تھی تو میری ایک دو پڑوسنوں نے بھی اپنے بچے میرے پاس بھیجنا شروع کردیے۔"

"فیس تو دیتے ہوں گے نا؟"

"جی۔"

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اتنے ذاتی سوالات کیوں کررہی ہیں۔ اسی وقت علی ڈرائنگ روم میں آگئے۔

"فائقہ! بچوں نے اپنا سب کام تو چیک کروا دیا ہے۔ اب وہ چھٹی کے لیے مررہے ہیں۔"

"جی۔ میں دیکھتی ہوں۔ آپ بیٹھیں۔"

میں جاتے جاتے پھر مڑی۔ "اور بھائی! آپ نے تو کباب لیا ہی نہیں۔ پلیز لیں نا۔"

ایک کباب علی نے اٹھالیا اور بولے۔

"جی بھابی! کباب تو آپ ضرور چکھیں۔ کافی اچھے بناتی ہے فائقہ۔" میرے گھورنے کا علی پر کوئی اثر نہ تھا۔

ریحانہ آپی کی نند نے ایک کباب اپنی پلیٹ میں رکھا ہی تھا کہ رافع اور عمیر آ گئے۔ آتے ہی دونوں نے ایک ایک کباب اٹھایا اور میری جان جل گئی۔ عام طور پر وہ ہزار نخروں سے کچھ کھاتے تھے۔ اور اب ندیدے پن کی انتہا کرتے ہوئے جلدی جلدی کباب کھاتے ہوئے مٹھیاں بھرے کھڑے تھے۔ رافع نے اپنی پینٹ کی جیبوں میں بسکٹ بھی ٹھونس لیے تھے۔ ایسی حرکتیں پہلے تو نہیں کرتے تھے۔ اگر کبھی کرنا چاہتے تو میری نگاہوں میں چھپی تنبیہہ دیکھ کر اپنی حرکت سے باز بھی آ جاتے تھے۔ مگر آج تو وہ میری جانب دیکھنا بھول ہی گئے تھے۔ اور خالی پلیٹ میرا منہ چڑا رہی تھی۔ علی کی آواز آئی۔ "آتے ہوئے کباب اور لیتی آنا۔"

اپنی ساس کی نگاہوں کو نظرانداز کرتی میں ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ بچوں کو جھڑکی دے کر گھر بھیجا اور پھر سے کچن میں آ گئی۔

میرے اللہ یہ پہلا موقع تھا جب میں مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہو رہی تھی۔ کباب تو اور تھے ہی نہیں۔ یونہی بے خیالی میں فریزر کھولا تو ایک پلاسٹک کی تھیلی میں چند کباب اور بھی رکھے نظر آئے۔ جب تھیلی کھولی تو یہ بھی یاد آ گیا کہ چند روز پہلے بچوں اور علی کے لیے فرائی کیے تھے۔ مگر تین چار ہی استعمال ہوئے تھے۔ چھ سات بچ گئے تھے۔ شکر کیا کہ وہ موجود تھے اور انہیں صرف مائیکروویو میں چند منٹ گرم کرنے کی دیر تھی۔ کباب لے کر کمرے میں آئی تو امی کا مزاج ٹھیک نہ لگ رہا تھا۔ میں نے پہلے ان کی پلیٹ میں ایک کباب رکھا۔ اور ریحانہ آپی کی نند کی پلیٹ میں بھی زبردستی ڈال دیا۔

چائے کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ مجھے رہ رہ کر اپنی لاپروائی پر غصہ آ رہا تھا۔ اگر پہلے ہی اچھی طرح دیکھ بھال لیتی تو یہ سب کباب ایک ساتھ ہی لے جاتی۔ یوں شرمندگی تو نہ ہوتی۔ مگر اس وقت ایک تو بچوں کو پڑھانے کی ٹینشن پھر یہ خیال کہ آج گھر میں کچھ زیادہ لوازمات موجود نہیں مجھے پریشانی اور بوکھلاہٹ میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔ چنانچہ یہ گڑبڑ ہو گئی۔ مگر پھر بعد میں میں نے اس شرمندگی کے ازالے کی بہت کوشش کی۔

وہ جانا چاہتی تھیں مگر انہیں زبردستی کھانے پر روکنے کی کوشش کی۔ اگرچہ اس وقت گھر میں صرف مرغی کا سادہ سالن پکا ہوا تھا۔ اور ساتھ مٹر پلاؤ۔ سوچا چند چیزیں بازار سے بھی منگوالوں گی تاکہ مسز عبید کی طرح ان کو بھی باتیں بنانے کا موقع نہ ملے۔ کچھ گھر میں فائنٹ تیار کرنے کی کوشش کروں گی۔ مگر باوجود اصرار کے وہ نہ رکیں۔ اور مجھے کچھ ایسا لگا کہ ریحانہ آپی کی نند تو شاید رک جاتیں مگر امی ہی رکنا نہیں چاہ رہی تھیں۔

چند دن پہلے میں اپنا ایک جارجٹ کا سوٹ لے کر آئی تھی۔ بہت مہنگا تو نہیں تھا مگر تھا بہت خوبصورت۔ علی کو بھی بہت اچھا لگا تھا۔ جلدی سے وہی لا کر ریحانہ آپی کی نند کو یہ کہہ کر دیا کہ۔

"آپ پہلی بار تو ہمارے گھر آئی ہیں کھانا بھی نہیں کھا رہیں تو کم از کم یہ تحفہ تو لے لیں۔"

☼ ☼ ☼

واثق بھائی کی شادی کی سالگرہ کا فنکشن تھا۔ جو کہ کافی بڑے پیمانے پر ارینج کیا گیا تھا۔ ان سے چھوٹے باسط بھائی تو کئی سالوں سے آسٹریلیا میں مقیم تھے۔ عید بقر عید یا دیگر مواقع پر ان کی ٹیلی فون کالز ای میلز ہی رابطے کا ذریعہ تھیں۔ ان کی بیوی وہیں کی تھیں۔ اس کے متعلق ہم لوگ بہت کم جانتے تھے۔ چنانچہ چند ماہ قبل جب باسط نے امی کو وزٹ ویزے پر بلانا چاہا تو ہم سب اتنے خوش نہ تھے۔

چنانچہ اب ہم تین بہن بھائی ہی ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے شریک تھے۔ شہلا بھابی اچھی خاصی گوری سی تھیں۔ اس وقت فیروزی سلکن ساڑھی اور میچنگ جیولری میں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ اس وقت جب کہ ان کا بیٹا گریجویشن کر رہا تھا تب بھی ان کے سراپے میں کوئی بے ڈھب پن نمایاں نہ تھا۔ چہرے

کی صباحت اور شگفتگی ماند نہیں پڑی تھی۔

انہوں نے بہت محبت سے گلے لگا کر میرا استقبال کیا تھا۔ علی تو دوسری طرف چلے گئے۔ جہاں ان کو کئی جانے پہچانے چہرے نظر آرہے تھے۔ میں سمیرا آپی کے پاس آبیٹھی۔ انہوں نے بہت خوبصورت شلوار سوٹ پہن رکھا تھا۔

"زبردست آپی! بہت اچھی لگ رہی ہیں۔ آپ کے سوٹ کی کلر کمبی نیشن بہت مختلف ہے۔"

"ہاں۔ اچھی بوتیک سے لینے کا یہی تو فائدہ ہوتا ہے۔ اگرچہ فوراً" ہی یہ سب کاپی ہوجاتا ہے۔ مگر پھر بھی ایک آدھ بار تو کچھ ڈفرنٹ لک آہی جاتا ہے۔"

سمیرا آپی کی بات پر میں خاموش رہی۔ جانتی تھی کہ وہ اچھے اور خوبصورت لباس کا ذوق بھی رکھتی ہیں۔ اور اس ذوق اور شوق کے مہنگے تقاضے نبھانے کے لیے ان کا پرس بھی ہمیشہ تیار رہتا ہے۔

"فائقہ! تمہاری ساس، بہن اور حارث اور اس کی بیوی وغیرہ نظر نہیں آرہے؟"

سمیرا آپی کے سوال پر میں نے ادھر ادھر دیکھا۔

"شاید ابھی تھوڑی دیر میں آجائیں۔ شہلا بھابی نے سب کا کارڈ تو خود دیا تھا۔ اور پھر اب تو کنوینس کا بھی مسئلہ نہیں رہا۔ حارث نے اپنی گاڑی لے لی ہے۔"

"ویسے تم لوگوں کے فلیٹ کی اب کتنی اقساط باقی ہیں؟ یار! سچ تو یہ ہے کہ تم لوگوں سے تو حارث اچھا رہا۔ تمہاری ساس نے اسے گھر کا مالک بھی بنا دیا اور اس نے گاڑی بھی خرید لی۔"

ان کی بات سے کسی حد تک تو میں بھی متفق تھی۔

"جی سمیرا آپی! کیا کریں، بڑے بھائی کی حیثیت سے علی کو اپنی ذمہ داری تو نبھانی پڑتی ہے۔ ویسے اب ہمارے فلیٹ کی اقساط تقریباً" پوری ہوگئی ہیں۔ بقرعید تک انشاء اللہ ہم شفٹ ہوجائیں گے۔"

اسی وقت شہلا بھابی قریب آگئیں۔

"ارے بھئی فائقہ! سب مہمان آچکے، ہم لوگ کیک کاٹنے لگے ہیں مگر تمہارے سسرالی رشتہ داروں کا کچھ پتہ نہیں۔ حالانکہ کارڈ دینے کے لیے میں اور واثق خود گئے تھے۔ ذرا ادھر کا فون نمبر بتانا، چیک کروں، گھر سے نکل چکے یا ابھی گھر میں ہی ہیں۔"

اپنا موبائل فون ہاتھ میں پکڑے کہہ رہی تھیں۔ میں انہیں گھر کا ٹیلی فون نمبر بتا کر پوچھنے لگی۔

"حارث کا موبائل نمبر بھی ہے، وہ بھی بتاؤں۔"

"ایک منٹ، یہ گھر میں بیل ہو رہی ہے۔ اگر یہاں کسی نے ریسیو نہیں کیا تو پھر حارث کے موبائل پہ رنگ کریں گے۔" "فون شاید امی نے ریسیو کیا تھا کیونکہ شہلا بھابی کہہ رہی تھیں۔

"جی آنٹی! السلام علیکم۔ میں شہلا بات کر رہی ہوں۔ ہم لوگ بس آپ ہی کے انتظار میں ہیں۔ کتنی دیر لگے گی آپ کو یہاں آنے میں؟" پتا نہیں ادھر سے کیا جواب ملا کہ شہلا بھابی گڑبڑا گئیں۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں آنٹی! آپ ہماری بزرگ ہیں، ہم کیوں خدانخواستہ آپ کی بے عزتی کرنے لگے؟"

"جی۔۔۔ مگر۔۔۔ فائقہ ایسا کیوں کرے گی۔۔۔ نہیں، نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں۔ میں آپ کی بات جھٹلا نہیں رہی مگر پھر بھی دیکھیں نا، غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ آپ یہاں آئیں تو۔۔۔"

شہلا بھابی کچھ دیر اسی طرح کی باتیں کرتی رہیں پھر اللہ حافظ کہہ کے موبائل بند کر کے میرے قریب بیٹھ گئیں۔

"توبہ توبہ فائقہ! تمہاری ساس بہت باتیں سنا رہی تھیں۔ دعوت میں آنے سے بھی صاف انکار کر دیا۔"

"مگر کیوں؟" میں حیران تھی۔

"وہ کہہ رہی تھیں کہ ریحانہ کی نند کے سامنے تم نے ان کی بے عزتی کی۔ ویسے عام حالات میں شاید علی کی وجہ سے پھر بھی کچھ خیال کر لیتی ہو مگر اس روز گن کر چار کباب سامنے رکھے جو میرے لیے بچے ہی نہیں۔ اچھا بننے کے لیے ریحانہ کی نند کو تو سوٹ دے دیا مگر چند ماہ پہلے جب ریحانہ آئی تھی تو اسے یونہی بدرنگ سا سوٹ دے کر رسم پوری کر لی اور بھی نہ جانے کیا کیا اور آخری بات جو ان سارے الزامات کا

چوڑے' وہ یہ کہ چونکہ تم نے ان کی بے عزتی کی ہے' اس لیے وہ نہ تو کبھی تمہارے گھر آئیں گی اور نہ ہی تمہارے کسی عزیز کی تقریب میں شرکت کریں گی۔"

شہلا بھابی بات کرتے ہوئے غور سے میرا چہرہ دیکھ رہی تھیں جو یقیناً فق ہو چکا ہو گا پھر خود ہی کہنے لگیں۔

"اتنے سال ہو گئے ہیں تمہاری شادی کو۔ ان کے خاندان کے ساتھ رہتے بستے کتنا وقت گزر گیا۔ ریحانہ' حارث وغیرہ سے میل ملاپ' دینا دلانا کرتی ہی رہتی ہو پھر اب انہیں یہ شکایت کیوں پیدا ہوئی؟"

مجھ سے پہلے سمیرا آپی بولیں۔ "ارے شہلا بھابی! آپ نہیں جانتیں۔ سسرال والوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ چاہے بہو کچھ بھی کرے پھر بھی وہ اعتراض ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ کچھ فراخ دل فیملیز میں ایسا نہیں بھی ہوتا۔ آپ اپنی مثال لیں۔ اب ایک مہینے سے تو امی آسٹریلیا میں ہیں مگر جب یہاں تھیں تو تب بھی انہوں نے آپ کے معاملات میں کبھی دخل اندازی نہیں کی۔ ہم دو نندیں ہیں' تو ہم نے کبھی روایتی نندوں کی طرح اعتراض ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی۔"

شہلا بھابی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آجاؤ بھئی! میرے خیال ہے کیک کاٹ لیا جائے کیونکہ مہمان بہت دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔" پھر پلٹ کر بولیں۔ "ویسے فائقہ! سسرال والوں کو اعتراض سے باز رکھنے کے لیے ایسا موقع ہی نہیں آنے دینا چاہیے۔ آخر میرے سسرال والے بھی تو خوش ہیں۔"

(آخری فقرہ انہوں نے ہنس کر کہا تھا۔)

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے' جنہیں بمشکل روکا اور سمیرا آپی سے کہنے لگی۔

"آپ تو جانتی ہیں سمیرا آپی! کہ کس کس طرح ان لوگوں کو خوش رکھنے کی کوشش کی۔ علی کی امی کو میرے کٹے بالوں پر اعتراض تھا' خود علی کو بھی لمبے بال اچھے لگتے تھے' میں نے بال بڑھا لیے۔ کھانا پکانا مجھے کچھ خاص نہ آتا تھا مگر علی کی امی کی نکتہ چینیوں سے ڈر کر اتنی محنت کی کہ اب بہت اچھا پکا لیتی ہوں اور آخر گھر میں ہمارا ابھی تو حصہ تھا مگر میں نے ایک بار بھی کچھ نہیں کہا اور میری سب قربانیوں کا یہ صلہ۔ کیسے ایک پل میں سب کچھ بھلا دیا' ورنہ جب ان کے ساتھ تھی تو ان کی معمولی باتوں پر اعتراض' طعنے سن کر بھی میں نے پلٹ کر جواب نہ دیا تھا۔ شادی کے شروع کے دن جو لوگوں کے بقول بڑے رومان پرور ہوتے ہیں' ان کی چوکیداری کی نذر ہو گئے۔ میں ہمیشہ چپ رہی مگر۔۔۔"

"اچھا چھوڑو' خاموش رہو۔ شہلا بھابی تو پہلے ہی طعنہ دے گئی ہیں۔ کسی اور نے دیکھ لیا تو کیا ہو گی؟ اور پھر خواہ مخواہ لوگوں میں تماشا بننے کا فائدہ؟ بس یہ فکر کرو کہ علی کو کس طرح یہ سب بتانا ہے تاکہ وہ ماں کی حمایت میں تم سے ناراض نہ ہو۔"

سمیرا آپی مجھے سمجھاتے ہوئے بولیں۔ کیک کٹنے کے بعد میں جلد ہی گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب گاڑی میں بیٹھنے لگے تو واثق بھائی ایک صاحب کو ساتھ لے کر آ گئے۔

"یہ میرے دوست ہیں زاہد۔ ان کی گاڑی ورکشاپ گئی ہے' اس لیے انہیں کنوینس کا پرابلم ہو رہا ہے۔ آپ لوگوں کے گھر کے راستے میں ہی ان کا گھر آتا ہے۔ پلیز انہیں ڈراپ کرتے جائیے گا۔"

"جی ضرور' آئیے زاہد صاحب!" علی نے مسکرا کر کہا۔ وہ عقبی نشست پر بچوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ کافی باتونی اور دلچسپ آدمی تھے۔ رہائش بھی ہمارے گھر سے قریب ہی تھی' اس لیے گھر آنے تک تو مجھے علی سے بات کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ گھر آ کر بچوں کے لباس تبدیل کرانے' سلانے میں کافی وقت لگ گیا۔ علی کو شاید بہت نیند آ رہی تھی۔ جب تک میں بیڈ روم میں آئی' وہ سو چکے تھے۔

اگلے روز اتوار تھا۔ ہفتے واری تعطیل کے باعث علی گھر پہ ہی تھے مگر مجھے چھٹی کے روز بھی بہت دیر سے ناشتا کرنا پسند نہ تھا۔ چنانچہ زیادہ سے زیادہ نو بجے تک ہم ناشتہ کر لیتے تھے۔ بچے کئی روز سے آلو کے پراٹھوں کے لیے کہہ رہے تھے' سو اس صبح پراٹھے بنا

گران کی فرمائش پوری کی تو دونوں ہی بہت خوش تھے اور اب کسی تفریحی مقام پر جانے کی ضد کر رہے تھے۔ علی بھی رضامندی ہی تھے کہ اچانک جیسے انہیں کچھ یاد آگیا۔

"ارے ہاں فائقہ! کل حارث، امی اور باقی سب واثق بھائی کے ہاں نہیں آئے تھے۔ حالانکہ پرسوں ہی حارث سے میری بات ہوئی تھی تو وہ یہاں آنے کی بات کر رہا تھا۔ نہ جانے کل کیا مسئلہ ہوا؟"

میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ علی نے عمیر سے کارڈلیس فون منگوایا اور بات کرنے لگے۔ میں خاموشی سے میز سے برتن سمیٹنے لگی مگر میرا دھیان علی کی طرف ہی تھا جو کہہ رہے تھے۔

"نہیں امی! شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو بھلا فائقہ ایسا کیوں کرنے لگی؟ وہ تو ہمیشہ سے مہمانوں کی خاطر تواضع کے معاملے میں کافی دھیان دیتی ہے۔ نہیں، نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں، آپ ناراض مت ہوں۔ اچھا نہیں، ہم لوگ ابھی تھوڑی دیر میں آپ کی طرف آرہے ہیں۔ ٹھیک ہے۔" فون بند کرکے وہ میری طرف متوجہ ہوئے۔ "فائقہ..."

"علی!" میں رونے لگی۔ باقی بات آنسوؤں کی یلغار میں دب گئی۔ بمشکل بات پوری کی۔ "آپ تو جانتے ہیں امی ہوں یا ثمن یا ریحانہ آپی اور حارث وغیرہ میں سب کا کتنا خیال رکھتی ہوں۔ آپ کے منع کرنے کے باوجود کہ اپنوں میں زیادہ تکلفات غیر ضروری ہوتے ہیں، میں نے کبھی لاپروائی نہیں کی مگر اس روز..."

میں نے علی کو سب تفصیل سنائی اور بولی۔

"مجھے تو خود اتنی شرمندگی ہو رہی تھی، چار کباب سامنے رکھتے ہوئے پھر آپ کے صاحبزادوں نے بھی رہی سہی کسر پوری کر دی جو بعد میں کباب لے کر آئے۔ اگر پہلے سے یاد ہوتے تو پہلے کیوں نہ لاتی اور ریحانہ آپی۔ ان کو تو میں نے اتنا خوبصورت اور مہنگا پورے آٹھ سو روپے کا سوٹ دیا تھا، رنگ ذرا ہلکا تھا مگر میں نے تو ان کے کمپلیکشن کے حساب سے دیا تھا جبکہ ان کی نند کی ابھی دو سال پہلے ہی شادی ہوئی ہے۔ اس کا اپنا رنگ بھی صاف ہے، اس لیے اس کو وہ شاکنگ پنک کلر کا سوٹ دے دیا۔ حالانکہ وہ ریحانہ آپی کے سوٹ سے بہت سستا تھا۔ صرف ساڑھے تین سو کا۔"

اور علی ان سب باتوں کے گواہ تھے کیونکہ یہ سب شاپنگ میں نے ان کے ہی ساتھ کی تھی۔

امی کی طرف جا کر بہت دیر تک معافیاں، تلافیاں کرنے اور ان کی بہت سی باتیں سننے کے بعد جب ہم گھر واپسی کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ اور ثمن ہمارے ساتھ تھیں۔ گویا یہ ناراضی ختم ہونے کا اظہار تھا۔

اگلا پورا ہفتہ ان کی خدمتوں میں گزرا۔ ٹیوشن فیس کے علاوہ بھی ناگہانی کے لیے بچائی رقم ان خاطرداریوں میں خرچ ہوئی۔

ثمن پھر بھی میرا خیال کرتی تھی مگر اس کے روکنے کے باوجود میں نے نہ کھانے پینے کا اہتمام کم کیا، نہ ہی کسی بھی کام کو اسے ہاتھ لگانے دیا کہ امی کے طعنے ابھی میرے دل میں تازہ تھے۔

"علی کو زن مرید بنا رکھا ہے۔ وہ بچے کھلاتا پھرتا ہے۔ ریحانہ کی نند نے اسے بھی سنایا کہ پڑھی لکھی تو تم بھی ہو، تم کیوں نہیں اسکول میں نوکری کر لیتیں یا پھر گھر میں ہی ٹیوشن پڑھا لیتیں۔ ارے ریحانہ کے سر پہ پورے گھر کا بوجھ ہے، اس کا میاں تو ٹل کر پانی نہیں پیتا۔ یہ تو بس علی ہی ہے جو بیوی کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔"

دن بھر مجھے آرام کا وقت بالکل نہیں ملتا تھا۔ تھک کر چور ہو جاتی تھی مگر علی کے سامنے میں اپنا بہترین امیج برقرار رکھنا چاہتی تھی۔ ایک وفادار، سلیقہ شعار اور تابعدار قسم کی بیوی اور بہو کا۔

ہفتے، دس دن کے بعد وہ واپس چلی گئیں اور میں نے بھی قدرے اطمینان کا سانس لیا۔

مسز جمیل اور مسز ثاقب کی حرکت پر مجھے غصہ بھی تھا اور افسوس بھی کہ ان کے بچوں کو اتنی محنت سے پڑھایا کہ سب کا ہی رزلٹ پہلے کے مقابلے میں بہت

گرِوہ اس رزلٹ کو اپنے بچوں کی محنت کا نتیجہ
ے کر میرے لیے تعریف کا ایک لفظ نہ بول
اں ایک دو بار جب مہمانوں کی اچانک آمد پر
لی سے کہا تھا کہ بچوں کو دیکھ لیں یا پھر اتنی ہی
ں کو مقررہ وقت سے پہلے اسی طرح کی مصروفیت
سے چھٹی دینی پڑی تو ان مواقع پر وجہ پوچھنا وہ
ر گز نہ بھولی تھیں۔

☼ ☼ ☼

لوگ اپنے فلیٹ میں شفٹ ہو گئے تھے۔ سمیرا
ہمیں نئے گھر کے پردے تحفہ میں دیے تھے۔
ھائی نے ایک بہت خوبصورت اور اسٹائلش سا
سفید صوفہ سیٹ دیا تھا اور اس طرح ہمیں کافی
ی تھی۔ پرانے گھر کے لاؤنج میں تو یونہی عام سی
اں اور فلور کشن رکھ کر کام چلا رہے تھے۔ اب
ے روم کا پرانا صوفہ لاؤنج میں رکھا تو لاؤنج بھی بج
نئے' خوبصورتی سے آراستہ "اپنے گھر" کی
ں کا احساس ہم دونوں کو ہی مسرور کر رہا تھا۔
ید الاضحیٰ بھی قریب تھی۔ علی قربانی کرنا چاہتے
چاہتی تو خیر میں بھی یہی تھی مگر نئے گھر کی خوشی
ب عزیز و اقارب کی دعوت بھی بہت ضروری
میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ ریحانہ آپی' ثمن
کی بیوی زرین سب کے لیے جوڑے تو ضرور
ے۔ امی (ساس) کے لیے میں نے پہلے سے ایک
یتی سوٹ خرید رکھا تھا۔ سمیرا آپی کے لیے بھی
ت اچھا سوٹ خریدنا چاہتی تھی اور ان سب
ت کے ساتھ قربانی کے لیے رقم کم پڑ رہی تھی۔
نک میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں
و گئی۔ گویا ایک پنتھ اور دو کاج والا معاملہ تھا۔
ے دوسرے یا تیسرے روز دعوت رکھ لیتے ہیں۔
ی ہو جائے گی اور گوشت سے دعوت بھی کر لیں
لی کو بھی یہ تجویز پسند آئی۔ کہنے لگے۔
اں کچھ مرغی کا گوشت منگوانا پڑے گا۔" فلیٹس
ینوں کی اسی طرح کی ضروریات کے لیے ایک

وسیع ہال ٹاپ فلور پر بنایا گیا تھا۔ ہم نے بھی دعوت کا اہتمام وہیں کیا تھا۔ کھانا کیٹرنگ سروس والوں سے پکوا لیا تھا۔

سب مہمان آ چکے تھے۔ میں خوبصورت ساڑھی' نفیس سی جیولری اور ہلکے سے میک اپ میں کافی اچھی لگ رہی تھی۔ جب میں تیار ہو کر کمرے سے باہر آئی تو علی نے بے ساختہ میری تعریف کی تھی۔ تقریب میں شامل تقریباً" ہر فرد ہی نے میری تعریف کی تھی۔ کاہی سبز سلکن ساڑھی جس پر ہلکے سبز اور آف وہائٹ ریشم اور موتیوں کا کام تھا۔ ہم رنگ جدید تراش خراش کا بغیر آستین بلاؤز میرے متناسب سراپے اور سرخ و سفید رنگت کو نمایاں کر رہا تھا۔

چونکہ عید کا دوسرا دن تھا اس لیے کچھ خواتین عید کے خصوصی ملبوسات میں ملبوس تھیں اور کچھ تقریب کے حوالے سے تیاری کر کے آئی تھیں مگر میں جانتی تھی کہ آج کی تقریب میں' میں ہی سب سے نمایاں تھی۔ ثمن آئی تو اس نے بھی تائید کی۔

اگرچہ مخلوط تقریب تھی مگر خواتین و حضرات خود ہی اپنی مرضی سے الگ ٹولیوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ میں "فرداً" ہر ایک کے پاس جا رہی تھی اور "تقریباً" ہر ایک سے اپنے لیے ستائشی کلمات سن رہی تھی۔ سمیرا آپی نے بھی میری بے حد تعریف کی تھی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو فائقہ! یونہی اچھی طرح ڈریس اپ ہوا کرو اور خود پہ توجہ دیا کرو تو دیکھنا علی تو علی' اور ہر شخص بھی کس طرح تمہاری تعریف پہ مجبور ہو گا۔"

میں ہنس دی تھی' ایک فاخرانہ ہنسی۔

علی کے دوستوں نے ایک طرف محفل جما رکھی تھی۔ میں ان کے پاس گئی تو علی کے بے تکلف دوست توقیر کی آواز آئی۔

"آیئے بھابھی! آیئے' میں ابھی علی سے پوچھ رہا تھا۔ کیا بھابی سے چھپ کر یہ دوسری شادی کی ہے تو یہ ڈر گیا اور بولا۔ یہ کیسی باتیں کر رہے ہو' میں نے آپ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا' وہ لڑکی کون ہے؟ معلوم

ہوا کہ خواتین عمر چھپانے کے عارضے میں مبتلا ہوتی ہیں مگر آپ کو اس طرح کے تردد کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی تو لگتا ہے عمر ایک ہی جگہ رک گئی ہے۔"

میں ہنسنے لگی۔ "بس بھی کریں توقیر بھائی! مبالغہ آرائی تو شاید آپ صحافیوں کی عادت ہو جاتی ہے۔"

"بخدا بھابھی! مبالغہ نہیں' یہ حقیقت ہے۔ آپ بہت زبردست لگ رہی ہیں۔"

"تھینک یو۔" میں ہنستے ہوئے دوسری جانب چلی گئی۔ علی مجھے اپنی طرف بلا رہے تھے۔ ان کے ساتھ شاید کچھ نئے مہمان تھے۔

"ان سے ملو فائقہ! یہ میرے کولیگ ہیں عادل صاحب۔ کچھ عرصہ پہلے ہی ٹرانسفر ہو کر ہماری برانچ میں آئے ہیں اور تھوڑے ہی دنوں میں ہماری بہت اچھی دوستی ہو چکی ہے اور ان کے ساتھ مسز عادل اور ان کے بچے' حفصہ اور عقیل۔"

میں سیاہ گاؤن اور حجاب میں ملبوس مسز عادل سے ملنے لگی۔ دھیمے' نرم سے لہجے میں بولتی وہ خاتون کافی اچھی لگیں۔ شکل کا تو اندازہ نہیں ہو پایا تھا مگر نقاب میں سے جھانکتی سیاہ آنکھیں کافی ذہین تھیں اور ان کے ساتھ کھڑی دس' گیارہ سال ان کی بیٹی جو ڈھیلے ڈھالے سے پنک کلر کے شلوار کرتے میں ملبوس تھی۔ سر پہ ہم رنگ اسکارف' جو بالوں کو ڈھکے ہوئے تھا اور شانوں پر پھیلا دوپٹہ اور اس کا گلابی مائل معصوم اور بھولا بھالا چہرہ اس محفل میں اسے منفرد بنا رہا تھا۔ اس کی ہم عمر سب ہی لڑکیاں ٹراؤزر' شرٹ یا چھوٹی سی قمیص اور پاجامے میں تھیں۔ دوپٹہ تو کسی کے پاس نہ تھا۔ اس وقت اس بچی کا اس طرح ملبوس ہونا مجھے حیران کر گیا۔ شاید عادل صاحب سخت گیر مذہبی ہوں گے کیونکہ ان کا بیٹا عقیل بھی کرتے پاجامے میں ملبوس تھا۔

میں ان سے مل کر انہیں ایک میز کے قریب لے آئی۔ وہاں صرف ایک خاتون بیٹھی تھیں۔ ان کے ساتھ میں نے مسز عادل کو بٹھا دیا کہ اسی وقت سمیرا آپی کی بیٹی فارینہ میرے پاس آئی۔

"خالہ! آپ کو مما بلا رہی ہیں۔" فارینہ حفصہ کی ہم عمر تھی یا شاید سال دو سال بڑی۔ اس وقت پنک اور گرے سلیولیس شرٹ اور ٹراؤزر میں کافی اچھی لگ رہی تھی۔

"بیٹا! آپ ان بہن کو کمپنی دو۔"

میں نے اس سے کہا اور خود مسز عادل سے معذرت کرنے لگی تو وہ بہت اخلاق سے بولیں۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے بھابھی! ظاہر ہے آپ میزبان ہیں۔ آپ کی ذمہ داریاں بہت ہیں۔ آپ مہمانوں سے ملیں' ہماری فکر مت کریں۔ ان شاء اللہ کبھی فرصت سے ملیں گے۔"

مسز عبید بھی آئی تھیں اور حسب معمول شیخیاں بگھارنے میں مصروف تھیں لیکن ان کی زیادہ پروا نہیں تھی۔ اگر انہوں نے چار ساڑھی پہن رکھی تھی تو ان کی قدرے سانولی اور بھاری جسم پر اس کا قیمتی اور حسین روپ نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے بھی آج ہی کے دن پانچ ہزار خرچ کر کے یہ ساڑھی خریدی تھی کے کلمہ ہائے تحسین نے اس کی قیمت بڑھا دی تھی اور میری قدر۔ میں بہت خوش تھی۔

تقریب بہت شاندار اور کامیاب رہی تھی۔ حال تو نہیں معلوم مگر بظاہر میرے دیے ہوئے سے امی' ثمن' زرین اور ریحانہ آپی سب ہی خوش تھیں۔ شہلا بھابی اور سمیرا آپی کو بھی میں نے سوٹ دیے تھے۔ سب نے ہی میری تعریف کی تھی۔ ہماری سب جمع پونجی خرچ ہو گئی تھی بلکہ کچھ قرض لینا پڑا تھا مگر ہم خوش تھے کہ اپنا گھر بھی بنا لیا تھا۔ تحفے تحائف بھی دیے اور پاس پڑوس کے ساتھ بھرم بھی قائم رہا کہ بقرعید پر ہمارے گھر قربانی سب دوستوں و عزیزوں کی دعوت بھی ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

اس روز علی نے آفس سے فون کر کے مجھے آج رات عادل صاحب کے ہاں ہماری دعوت

یار ہو کر ہم ان کے گھر جانے کے لیے نکلے تو میں
نے کہا۔
ک لے لیں۔"
"ون سا لوں؟" وہ پوچھ رہے تھے۔
"پہلی بار ان کے گھر جا رہے ہیں تو اچھا امپریشن
ہا ہیے۔ سب سے اچھا والا کیک لیں اور ساتھ بھی
ات بھیجے گا۔" میں نے کہا تھا۔

سز عادل نے بہت تپاک سے خیر مقدم کیا تھا۔ وہ
ل کے سامنے نہیں آئی تھیں۔ علی ان کے شوہر کے
ڈرائنگ روم میں تھے جبکہ مجھے وہ لاؤنج میں لے
ئیں۔ ان کا بنگلہ کافی کشادہ لگ رہا تھا۔ بتا رہی
کہ عادل بھائی کو وراثت میں ملا تھا۔ کچھ تبدیلیاں
انھوں نے اب کروائی ہیں، جب یہاں منتقل
ئے ورنہ پہلے یہ کرایہ پر دے رکھا تھا۔

ان کی بیٹی حفصہ نے بہت سلیقے سے مشروبات
کیے جبکہ مردوں کی طرف ان کا بیٹا عقیل لے
کر جا رہا تھا۔ حفصہ نے آج قدرے ڈھیلا سا سیاہ
کا پاجامہ اور مناسب فٹنگ کا گھٹنوں تک کرتہ
رکھا تھا۔ آج اسکارف نہیں تھا مگر دوپٹہ پھر بھی
ڑھ رکھا تھا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو بیٹا! کیا ماما پاپا سے یہ
س پہننے کی اجازت مل جاتی ہے؟"
میں اپنے بے تکے سوال پر خود شرمندہ سی ہو گئی
۔ وہ بچی تو مسکراتے ہوئے چلی گئی مگر مسز عادل کہنے
لگیں۔

"دراصل یہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ ہر چمکتی چیز
کشش لگتی ہے۔ جب ہر طرف لڑکیاں اور خواتین
ن کے نام پر جسم کے خدوخال کو ابھارتے مختصر
تنگ ملبوسات میں نظر آتی ہیں تو ہمارے گھروں کی
بچیاں بھی وہ فیشن اپنانے کی خواہش مند ہو جاتی
ہیں۔ ضرورت سے زیادہ سختی اور روک ٹوک انھیں
ن رویہ اپنانے پر مجبور کرتی ہیں۔ میں نے اپنا
ں رہن سہن اسلامی تعلیمات کے مطابق رکھنے
کوشش کی ہے۔ حفصہ کو بچپن سے گناہ و ثواب
کی تمیز سکھائی ہے۔ آج کے فیشن کے ملبوسات میں
اپنے حساب سے کچھ مناسب تبدیلیاں کر کے حفصہ
کو گھر میں پہننے کی اجازت دی ہے۔ کچھ عرصے میں
اسے گاؤن بنوا دوں گی۔"

ان کی وضاحت پر میں خاموش رہی۔ آخر میں
پوچھ ہی لیا۔ "شاید عادل بھائی زیادہ مذہبی ہیں، اسی لیے
آپ اور بچوں پر بھی یہ اثر لگتا ہے۔"

مسز عادل ایک بار پھر ہنس دیں۔

"زیادہ مذہبی کا مطلب مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔
ہمارے مذہب نے تو ہم سب کو ایک ہی سیدھا راستہ
بتایا ہے۔ حرام، حلال، گناہ و ثواب کی تمیز آقا، غلام، مرد
و عورت سب کے لیے یکساں ہے۔ عادل اور میں،
دونوں کوشش کرتے ہیں کہ خود بھی اور اپنے بچوں کو
بھی اسی راہ پر چلائیں۔"

تھوڑی ہی دیر میں کھانا لگ گیا۔ علی، عادل بھائی اور
بچے الگ کمرے میں تھے اور مسز عادل، حفصہ اور میں
الگ کمرے میں۔ خدیجہ اٹھ گئی تو اسے مسز عادل کی
ملازمہ نے سنبھال لیا۔

کھانا بہت لذیذ تھا۔ مسز عادل کافی اچھی میزبان
تھیں۔ ان کی ملازمہ بھی ہمارے ساتھ کھانے میں
شریک تھی جو کہ مجھے عجیب سا لگا مگر چپ رہی۔
کھانے کے بعد مسز عادل خود سبز چائے بنا کر لائیں۔
ملازمہ حفصہ کے ساتھ مل کر میز سے برتن سمیٹ
رہی تھی کہ رافع اپنے پاپا کا بلاوا لے کر آ گیا اور ہم گھر
واپس آ گئے۔

علی، عادل بھائی اور ان کی بیگم کی بہت تعریف کر رہے
تھے۔ مجھے بھی مسز عادل، مسز عبید کے مقابلے میں کافی
سلجھی ہوئی لگی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اس روز مسز عادل کا فون آ گیا۔ انھوں نے کچھ
شاپنگ کرنا تھی جس کے لیے وہ میری مدد چاہتی تھیں۔
پوچھ رہی تھیں کہ میں کیا کچھ وقت نکال سکوں گی؟
میں نے دوسرے روز شام چار بجے آنے کو کہا تو

کہنے لگیں۔
"کسی ایسے وقت جانا چاہیے جب نماز کا وقت نہ ہو ورنہ مشکل ہو جاتی ہے۔"

دوسرے روز ظہر کی نماز پڑھ کر وہ میرے گھر آگئیں اور ہم مارکیٹ کی طرف چل دیے۔ وہ حسب معمول عبایا اور نقاب میں ملبوس تھیں اور میں معمول کے حلیے میں۔ دوپٹہ سر پہ ہو یا گلے میں' مجھے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔ میرا نظریہ یہ تھا کہ حیا انسان کی اپنی آنکھ میں ہوتی ہے۔ کئی خواتین' لڑکیاں سات پردوں میں چھپی ہونے کے باوجود نہ جانے کیا کچھ گل کھلاتی رہتی ہیں۔ انسان کا اپنا ضمیر اس کا محافظ ہوتا ہے۔ صرف پردہ وہ کچھ نہیں کر سکتا۔

مسز عادل نے کچھ کپڑے خریدے۔ ایک نفیس سے رنگوں پر مشتمل جارجٹ کا سوٹ' مختلف سائز کے بچوں کے تین سوٹ اور ایک اپنے لیے عام گھر میں پہننے کی چپل۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں وہ فارغ ہو گئیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ ان کی نند ان کے پاس آرہی ہیں' اسی لیے کچھ تحائف خریدنے آئی تھیں۔ وہ بار بار میرا شکریہ ادا کر رہی تھیں کہ میں ان کے ساتھ آگئی۔ وہ کہنے لگیں۔

"دراصل میں اکیلی شاپنگ کے لیے جاتی نہیں ہوں اور عادل دو ہفتوں کے لیے اسلام آباد گئے ہیں۔ میری نند شاید ان کے آنے سے پہلے ہی واپس چلی جائے' اسی لیے میں نے آپ کو زحمت دی۔"

"زحمت کیسی بھابھی! نند کے لیے تو شاپنگ بہت ضروری تھی۔ ویسے سچ کہوں' سسرال کو خوش رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ جتنی بھی کوشش کریں' کچھ نہ کچھ میں میخ نکال ہی لیتے ہیں۔"

میں نے قدرے تلخی سے کہا تو وہ کہنے لگیں۔

"نہیں' میرے ساتھ تو ایسا نہیں ہے۔ میں نے قرآن پاک میں پڑھا تھا۔ "قرابت داروں کے ساتھ احسان کرو۔" (سورۃ البقرہ۔ رکوع ۱۰ آیت ۱۰) عادل کے خاندان کے ساتھ تو میرا تعلق اور قرابت اور بھی گہری ہے کیونکہ شوہر کے اللہ نے بے پناہ حقوق بتائے ہیں۔ تو اگر شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کروں تو وہ ان کا حق ہے کہ یہ ان کے بھائی کا گھر ہے۔ چنانچہ میں اپنا فرض ادا کرنا ضروری سمجھتی ہوں اور یہ سب عمل اللہ کی رضا کے لیے انجام دیتی ہوں تو پھر اس کا صلہ بھی اللہ ہی سے چاہتی ہوں کیونکہ حدیث مبارکہ ہے جو شخص بھی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے' اس کو چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے' مہمان کا احترام کرے' جو بات منہ سے نکالے' اچھی نکالے ورنہ خاموش رہے۔" (بخاری و مسلم)

"اونہہ! سب زبانی باتیں ہیں۔ اس طرح کے لوگ جو اپنے مذہبی ہونے کا پرچار کرتے رہتے ہیں' اسی طرح کے زبانی دعوے بہت کرتے ہیں۔ میری طرح کے حالات کا سامنا ہو تو پھر ان تقریروں کا مطلب سمجھ میں آئے محترمہ کو۔" میں نے سوچا۔

میں نے اگرچہ کچھ نہیں خریدنا تھا مگر اب بازار آئی تھی تو ایک سوٹ خرید لیا۔ رنگ اور کپڑا بہت اچھا تھا۔ زیادہ مہنگا بھی نہیں تھا' صرف پانچ سو روپے میں مل گیا۔

پچھلے دنوں گھر کے سلسلے میں جو دعوت کی تھی' اس میں کچھ لوگوں کی طرف سے نقد رقم بھی آئی تھی' چنانچہ آج کل میرا ہاتھ کچھ کھلا تھا پھر اب گھر کا کرایہ بھی نہیں دینا ہوتا تھا۔ فلیٹ کی قسط بھی نہیں دینی تھی تو حالات کافی بہتر تھے اور میں اس سب کو ایک عرصے تک تنگی' ترشی' تکلیف کو برداشت کرنے کے بعد اب اپنا حق اور صلہ سمجھ کر خوش تھی۔

وہ سوٹ مسز عادل کو بھی بہت پسند آیا تھا۔ میں نے ان سے بہت کہا کہ آپ خرید لیں مگر انہوں نے کہا "ضرورت نہیں ہے۔"

دوسرے' تیسرے روز حفصہ کا فون آگیا۔ وہ بہت پریشان تھی۔ اس نے بتایا کہ امی باتھ روم میں پھسل کر گر گئی ہیں اور ان کی ٹانگ میں شدید درد ہے۔ امی کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے۔

میں اور علی ان کے گھر چلے گئے۔ علی نے بتایا تھا

عادل بھائی کے زیادہ تر رشتہ دار امریکہ منتقل ہو چکے ہیں۔ ایک بہن ہیں جو کوئٹہ میں مقیم ہیں اور مسز عادل کی فیملی بھی انگلینڈ میں سیٹل ہے اس لیے مشکل میں انہوں نے ہمیں بلایا تھا۔

ہم گئے تو مسز عادل کافی تکلیف میں تھیں جس کا اظہار ان کے چہرے سے ہو رہا تھا۔ ان کی نند بھی آچکی تھیں جس پر میں نے سوچا کہ چلو اچھا ہے ان کی دیکھ بھال بھی ہو جائے گی۔

وہ حسب معمول عبایا اور نقاب میں تیار تھیں۔ ہم انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے۔ شکر ہے کہ پاؤں کی ہڈی کسی فریکچر یا بریک سے محفوظ تھی۔ ویسے موچ بہت شدید آئی تھی۔ کمر میں بھی بہت تکلیف تھی جو ان کے بقول پچھلے کئی سال سے تھی اور اب اس گرنے کی وجہ سے اور زیادہ ہو گئی تھی۔ بہرحال دوا وغیرہ لے کر ہم انہیں واپس گھر چھوڑ آئے۔ وہ بار بار شکریہ ادا کر رہی تھیں۔

علی نے کہا۔ "کوئی بات نہیں مسز عادل! آپ بار بار شکریہ ادا کر کے ہمیں شرمندہ کیوں کر رہی ہیں۔ یہ تو دوست ہونے کے ناتے ہمارا فرض تھا۔" تو وہ بولیں۔

"اور میں بھی تو صرف آپ کا شکریہ ادا کر رہی ہوں کہ آپ نے اتنا وقت نکالا۔ اصل اجر تو آپ کو اللہ دے گا۔"

ایک دو دن کے بعد علی کہنے لگے۔ "آؤ فاتقہ! مسز عادل کی خیریت معلوم کر آئیں۔"

بچوں کو ساتھ لے کر ہم ان کے گھر گئے تو وہ عصر کا وقت تھا۔ عقیل نماز پڑھنے مسجد جا رہا تھا علی سے بولا۔

"آیئے انکل! نماز پڑھ کر آتے ہیں۔"

علی جھینپے جھینپے سے ساتھ چل دیے۔ مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ یہ تو جمعہ کی نماز کئی بار چھوڑ دیتے تھے۔ آج عصر کی نماز پڑھنے غالباً بہت مہینوں بعد جا رہے تھے اور یہی حال میرا تھا۔

حفصہ نے دروازے پر ہمارا استقبال کیا۔ بچے ان کے لان میں کھیلنے لگے۔ مجھے وہ اندر لاؤنج میں لے آئی۔ مسز عادل کے بارے میں اس نے بتایا کہ نماز پڑھ رہی ہیں۔ اسی وقت مسز عادل کی نند مہرین کمرے میں داخل ہوئیں تو اس نے کہا۔

"آیئے پھپھو! آپ آنٹی کے پاس بیٹھیں میں نماز پڑھ آؤں۔"

اتنی سی بچی کے منہ سے یہ ذمہ داری کی بات مجھے بہت اچھی لگی۔ یقیناً مسز عادل کی تربیت بہت اچھی تھی۔ مہرین نے ایک چھوٹا سا چار پانچ ماہ کا گول مٹول سا بچہ اٹھا رکھا تھا۔ ان کے دو بچے تھے۔ بڑی بیٹی آٹھ نو سال کی تھی اسی اثناء میں وہ منہ بسورتی ہوئی آئی۔

"ماما! مجھے سینڈوچ کھانا ہے۔"

"جاؤ مجھے تنگ نہ کرو ابھی ماں آئی ہیں تو ان سے کہنا یا پھر حفصہ سے کہو۔" انہوں نے بے زاری سے جواب دیا۔

"بھابھی کا اب کیا حال ہے؟" میرے پوچھنے پر منہ بنا کر بولیں۔

"ٹھیک ہیں۔ ارے بھئی سب بہانے ہیں کہ نند کی خدمت نہ کرنی پڑے۔ ادھر گھر کی ملازمہ کو بھی چھٹی دے دی۔ چاہتی ہیں کہ کچن بھی میں سنبھالوں۔"

اسی وقت مسز عادل آتی دکھائی دیں۔ سفید دوپٹے میں ان کا چہرہ کافی زرد لگا مجھے وہ دیوار کا سہارا لے کر چل رہی تھیں۔ کافی خوش دلی سے مجھ سے ملیں۔ صوفیہ کی بیٹی ابھی تک کھڑی منہ بسور رہی تھی۔

"جاؤ بیٹا! باہر بھائی کھیل رہے ہیں ان کے ساتھ کھیلو۔"

میں نے کہا مگر وہ چیخ کر بولی۔ "مجھے سینڈوچ چاہیے۔"

"ہاں بیٹا! ابھی سب کے لیے سینڈوچ بناتے ہیں۔"

مسز عادل نے بہت پیار سے کہا۔ مگر وہ بدتمیزی سے بولی۔ "نہیں پہلے مجھے چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" مسز عادل اٹھ کر کچن میں چلی گئیں۔ حفصہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ تھوڑی دیر بعد پنیر سینڈوچز اور گاجر کا حلوہ لے کر آ گئیں۔ مہرین کی بیٹی کو پہلے ہی سینڈوچ بنا کر دے دیا تھا جسے اس نے

اٹھا کر پھینک دیا۔

"یہ تو کل بھی کھایا تھا۔ میں نے چکن سینڈوچ کھانا ہے۔"

"اچھا بیٹا سوری' رات کو آپ کو چکن سینڈوچ بنا دوں گی۔"

"نہیں' ابھی چاہیے۔" اس کی ایک ہی رٹ تھی۔ مجھے بھی اس لڑکی پر بہت تاؤ آرہا تھا اور اس سے بڑھ کر اس کی ماں پر جو خاموش بیٹھی تھی۔

حفصہ چائے کی ٹرے لے کر آئی اور بیٹھتے ہی لگی تھی کہ مسز عادل بولیں۔

"بیٹا! وہ جو مرغی کا سالن رکھا ہے' اس میں سے ایک بوٹی نکال کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرو پھر میں سینڈوچ بنا دیتی ہوں۔"

ہم تھوڑی ہی دیر میں واپس آگئے۔ گھر آکر بھی میں سوچتی رہی کہ مسز عادل اپنی طرف سے لاکھ اچھا بننے کی کوشش کرتی رہیں مگر ان کی نند کی گفتگو اور نند کی "وقتی" بیٹی کے رویے سے صاف ظاہر تھا کہ انہوں نے مسز عادل کو کس طرح زچ کر رکھا ہو گا۔

عادل بھائی واپس آئے تو وہ دونوں ہم لوگوں سے ملنے اور ہمارا شکریہ ادا کرنے ہمارے گھر آئے۔ اگرچہ انہوں نے فون کر کے پہلے سے اپنی آمد کی اطلاع دی تھی مگر علی حسب معمول بتانا بھول گئے تھے۔ میں اس شام سمیرا آپی کی طرف جانے کا پروگرام بنائے بیٹھی تھی کہ وہ لوگ آگئے اور ان کے کچھ دیر بعد مسٹر اور مسز عبید بھی آگئے۔ ایک تو مجھے مسز عادل کے نقاب اور عبایا سے اس وقت سخت چڑ ہو رہی تھی۔ اب ان کی وجہ سے دو جگہ چائے کا سامان سیٹ کرنا پڑے گا۔ چکن رولز' سموسے اور تھوڑی سی کھیر گھر میں موجود تھی۔ دو ڈبے بسکٹ بھی تھے۔ اچھی خاصی پر تکلف چائے بن سکتی تھی مگر دو حصوں میں تقسیم ہو کر تو وہی ان منحوس کبابوں والی مشکل پیش آسکتی تھی۔ چائے کا پانی رکھ کر اسی سوچ میں تھی کہ کیا کروں کہ مسز عادل کچن میں آگئیں۔

"لائیے بھابھی! میں آپ کی مدد کروں۔" رولز اور سموسے میں نے باہر نکال رکھے تھے۔ مسز عادل انہیں مائیکرو ویو میں ڈی فراسٹ کرنے لگیں اور پھر کہنے لگیں۔ "رولز اور سموسوں میں سے ایک چیز مردوں کی طرف بھیج دیں اور ایک خواتین کی طرف۔"

میں شرمندہ سی ہو گئی۔ "اس طرح اچھا نہیں لگتا بھابھی!"

"اس میں برا کیا ہے بھابھی! ہم اچانک آپ کی طرف آئے ہیں۔ علی بھائی آپ کو بتانا بھول گئے تھے اور ویسے بھی آپس کے میل' ملاقات کا مقصد ایک دوسرے سے اچھے تعلقات بڑھانا' دکھ' سکھ میں شریک ہونا ہوتا ہے اور ہم ان تکلفات میں پڑ کر مہمان کی خوشی اور تکریم سے محروم رہ جاتے ہیں۔" وہ پلیٹیں وغیرہ سیٹ کرتے ہوئے بولیں۔

مسز عبید کے پاس آکر بیٹھے تو وہ حسب معمول نخرے کرنے لگیں۔

"سموسے تو مجھے پسند ہی نہیں اور چائے بھی مجھے کس اچھی لگتی ہے' دودھ پتی۔"

پھر مسز عادل سے مخاطب ہو کر بولیں۔ "آپ نے یہ سوٹ کتنے کا لیا' بہت اچھا لگ رہا ہے۔" وہ اسی طرح اچانک پٹڑی بدلنے کی عادی تھیں۔

"یہ تو میری ایک پرانی ساڑھی تھی' اس سال کرتہ دوپٹہ بنا لیا۔"

"میں تو چند ایک بار پہننے کے بعد کپڑے غریبوں کو دے دیتی ہوں۔ سالوں سنبھال کر نہیں رکھتی۔" وہ نخوت سے بولیں۔ مسز عادل مسکراتی رہیں۔

عبید بھائی نے کہیں اور بھی جانا تھا اس لیے وہ لوگ جلدی ہی چلے گئے۔

مسز عادل کے ساتھ بیٹھی تو یونہی ان سے پوچھ بیٹھی۔

"بھابھی! آپ کو پردے سے الجھن نہیں ہوتی اور کیا آپ عادل بھائی کے کہنے سے یہ پہنتی ہیں؟"

"جس ہستی کے حکم پر میرے لیے عادل کی بات قابل احترام ہے اسی کے حکم پر عبایا پہنتی ہوں۔ یعنی کہ میرا اللہ۔ کسی انسان کی خواہش پر میں پردہ نہیں

کرتی۔ اس لیے الجھن کا تو سوال ہی نہیں ہے بلکہ یہ تو مجھے کئی الجھنوں سے بچاتا ہے۔ شرم و حیا تو میرا ذاتی مسئلہ ہے مگر دوسروں کی غلط نظروں، ذلالت کے گھونٹ سے مجھے یہی بچاتا ہے۔
سے مجھے یہی بچاتا ہے۔"

وہ شاید کچھ اور بھی کہتیں کہ رافع اور عمیر بھاگتے ہوئے آگئے۔ مسز عادل اپنے بچوں کو ساتھ نہیں لائی تھیں۔ چنانچہ عمیر ان سے پوچھنے لگا۔

"آنٹی! آپ عقیل بھائی کو ساتھ کیوں نہیں لائیں؟"

"اس لیے بیٹا! کہ وہ دونوں بہن بھائی پڑھ رہے تھے۔"

تب ہی رافع کہنے لگا۔ "ماما... ماما... عمیر بھائی کہتے ہیں کہ اللہ میاں نے کسی سے کہا تھا کہ اپنے بیٹے کا گلا چھری سے کاٹ دیں۔ ماما! کسی کو چوٹ لگانا تو بری بات ہے بچے۔"

عمیر نے پچھلے دنوں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی سے متعلق پڑھا تھا اور شاید وہی قصہ اس نے رافع کو سنایا تھا۔ رافع کا ننھا ذہن الجھ کر رہ گیا تھا۔

میں ان دونوں کو آسان الفاظ میں یہ سب سمجھانے لگی۔ بچوں کے جانے کے بعد مسز عادل مسکرا کر بولیں۔

"میں سوچتی ہوں کہ بچوں کی ذہنی گرہوں کو سلجھانے کے لیے ہم آسان الفاظ، مثالیں استعمال کر لیتے ہیں مگر خود اپنے نفس کو سمجھانا ہمارے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔ اللہ کی برگزیدہ ہستیوں کی مثالیں پڑھ اور سن کر اپنی زندگی پر لاگو کرنا ہمیں بہت مشکل لگتا ہے۔ ہماری زندگیوں میں دکھاوا، نمائش اس طرح رچ بس گیا ہے کہ چاہے عبادات ہوں یا عزیز رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ تعلقات، ہر وقت ہمیں یہی فکر رہتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ ہم کس طرح لوگوں کے سامنے نیک، خوش اخلاق، سگھڑ، سلیقہ مند ثابت ہو سکیں اور جو سب سے بڑھ کر "اپنا" ہے، ہماری ہر غلطی، گناہ سے درگزر کرنے والا، ہر ہر لمحے ہمیں نوازنے والا صرف اور صرف اس کی رضا کے لیے ہم دن بھر میں کتنے عمل کرتے ہیں؟"

مسز عادل کے جانے کے بعد بھی ان کے الفاظ میرے ذہن میں گونجتے رہے۔ اپنی زندگی کے گزرے ماہ و سال گویا آنکھوں کے سامنے سے گزرتے رہے۔ ایک لمحہ، ایک واقعہ ایسا نہ تھا جب میں نے خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے کوئی عمل کیا ہو۔

نماز کے بارے میں خیال تھا کہ بڑھاپے میں دیکھا جائے گا۔ گھر میں شوہر کے لیے بناؤ سنگھار کو ضروری نہ سمجھا، ہاں غیروں سے تعریف وصول کرنے کے لیے گھر سے نکلتے وقت ضرور کیا۔ "اپنے گھر" کی خاطر ہر مشکل بڑی خوشی سے برداشت کر لی مگر "دائمی گھر" کے لیے بھی بھول کر بھی زادِ راہ جمع نہ کیا۔

"غیروں" کی خوشنودی کے لیے تو ہمیشہ سب کا خیال رکھا مگر وہ جو واقعی "اپنا" ہے اس کی "خاطر" کیا کیا؟

مسز عادل جیسے کئی لوگ ہوں گے جو اس "حقیقی اپنے" کی خاطر ہر غیر اور اپنے کا اچھا برا سلوک خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں۔ میں بھی ان کے جیسا بننا تو چاہتی ہوں مگر... کافی مشکل ہے۔"

باہر فائرنگ اور پٹاخوں کی آوازوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ بارہ بج گئے۔ نیا سال شروع ہو گیا مگر کیا نئے سال میں کسی "نئی اپنائیت" کی خاطر ہماری زندگیاں کوئی اپنا رخ اختیار کر سکتی ہیں؟